26

دعوتوں وغیرہ میں میرا وقت ضائع نہ کیا جائے

(فرمودہ 5 نومبر 1943ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"آج کے خطبہ میں مَیں بعض ایسی باتیں کہنا چاہتا ہوں جو میری ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خواہ وہ نبی ہو، رسول ہو، خلیفہ ہو، شیخ ہو، مجدد ہو۔ کچھ بھی ہو، جس کو اس نے پیدا کیا ہے انسانی قویٰ اور دیگر بشریت کے تقاضے لگا کر ہی پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں بچپن کا بھی محتاج ہوتا ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف ایک حدیث منسوب کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَلَوْ کَانَ نَبِیًّا۔ یعنی بچہ بچہ ہی ہے خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ بچپن کا زمانہ بشریت کا ایک حصہ ہے۔ اس میں نبیوں اور رسولوں کو بھی شریک ہونا پڑتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی۔ اس کے بعد جوانی کا زمانہ آتا ہے جو تعلیم اور تجربہ کا زمانہ ہے۔ اس میں بھی سب انسان شریک ہوتے ہیں۔ پھر ادھیڑ عمر کا زمانہ ہے۔ اس میں بھی سب شریک ہوتے ہیں۔ پھر بڑھاپا آتا ہے اس میں بھی سب شریک ہوتے ہیں اور کسی کو بھی کسی حالت سے استثناء حاصل نہیں۔ کافر و مومن، شریف اور غیر شریف، دنیا کی خدمت کرنے والا یا نفسا نفسی کرنے والا، سب کے سب انسان ان دوروں میں سے گزرتے ہیں۔ ان اثرات کو قبول کرتے اور ان حالات کو بُھگتتے ہیں۔ اور اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کے ساتھ کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا۔ پس کسی انسان کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ وہ انسانی اور

بشری طاقتوں سے زیادہ کام کر سکتا ہے یا انسانی اور بشری دماغوں سے زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے بالکل غلط خیال ہوتا ہے جو فرق نظر آئے گا وہ صرف اس حد تک ہو گا کہ ایک انسان اپنے دماغ کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے والا اور دوسرا کم سے کم استعمال کرنے والا ہو گا۔ ایک پاگل اور اس کے مقابلہ میں ایک بڑے فلسفی مثلاً افلاطون کو لے لو۔ ان میں انسانیت اور غیر انسانیت کا فرق نہیں ہو گا۔ صرف اتنا فرق ہو گا کہ دماغ کی جو قوتیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں ایک نے انہیں ادنیٰ طور پر استعمال کیا اور دوسرے نے اعلیٰ طور پر۔ یا روحانی دنیا میں رسول کریم ﷺ اور ابوجہل کی مثال لے لو۔ ابراہیمؑ اور نمرود، موسیٰؑ اور فرعون، عیسیٰؑ اور ان کے مخالف فریسیوں کو لے لو۔ ان میں یہ فرق نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ یا حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے دماغ ابوجہل، نمرود، فرعون اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے دشمن فریسیوں کے دماغوں سے علیحدہ تھے۔ یا دوسرے انسانوں سے کوئی علیحدہ دماغ تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے ان قوتوں کو جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملیں اس روشنی کے ماتحت جو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوئی، زیادہ سے زیادہ استعمال کیا مگر ابوجہل، نمرود اور فرعون وغیرہ نے اس روشنی کو رد کیا اور دماغ کی روحانی طاقتوں کو کم سے کم استعمال کیا۔ صرف اتنا ہی فرق ہے۔ یہ نہیں کہ تفاوت کی وجہ سے کوئی وجود انسانوں کے حلقہ سے باہر نکل گیا۔ یا کوئی عام انسانوں سے کسی بالا درجہ میں چلا گیا۔ جنہوں نے ان طاقتوں کو اچھی طرح استعمال کیا وہ انسانوں سے بالا نہیں ہو گئے اور جنہوں نے بُری طرح استعمال کیا وہ انسانوں کے حلقہ سے باہر نہیں نکلے۔ ادنیٰ رنگ میں ان طاقتوں کو استعمال کرنے والے انسانوں سے بالا ہستی نہیں بن گئے۔ جہاں تک ان کی قوتوں کے استعمال کا سوال ہے دونوں انسان ہی رہے۔ غرض انسانیت سے بالا طاقتیں نہ کبھی کسی انسان کو ملیں اور نہ مل سکتی ہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ کچھ عرصہ سے خصوصاً اس سال میری صحت زیادہ سے زیادہ گرتی جارہی ہے اور اب یہ حالت ہے کہ اگر میں مہینہ بھر بیمار رہوں تو ایک دن ایسا آتا ہے کہ میں اپنے آپ کو تندرست کہہ سکوں۔ اور پندرہ بیس دن ایسے ہوتے ہیں کہ جو نیم بیماری اور

نیم تندرستی کے دن کہلا سکتے ہیں۔ تفسیر کبیر کا جو کام 1940ء میں مَیں نے کیا اور جس میں راتوں کو بعض اوقات تین تین، چار چار بجے تک کام کرنا پڑتا۔ اس میں روزانہ 17، 18 گھنٹے کام کرنے کا عمل میری جدوجہد کی زندگی کا آخری دَور ثابت ہوا۔ اور اس کے بعد قویٰ مضمحل ہو گئے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں ابھی یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ یہ سمجھ سکیں اور یہی سمجھانے کے لئے مَیں نے یہ تمہید بیان کی ہے کہ ہر انسان انسان ہی ہوتا ہے خواہ اس کا مرتبہ کچھ بھی ہو اور وہ ایک حد تک ہی بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ اس سے زیادہ بوجھ اگر اس پر ڈالنے کی کوشش کی جائے تو وہ ٹوٹ تو سکتا ہے مگر بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر انسان کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک انسانی حیثیت اور دوسرے فرض منصبی کی حیثیت۔ میرے تعلقات جماعت کے ساتھ دونوں رنگ کے ہیں۔ ایک تمدنی اور سوشل تعلقات اور دوسرے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے سلسلہ کے کاموں کے متعلق۔ میرا جو مقدم فرض ہے وہ سلسلہ کے کاموں سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر ان سے کوئی کام کا وقت بچ سکے تو دوسرے مصرف میں لایا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر بچ ہی نہیں سکتا تو دوسرے کام میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ احساس ابھی تک ہمارے احباب میں باوجود اس کے کہ میں پہلے بھی اشارۃً اس طرف توجہ دلا چکا ہوں پیدا نہیں ہوا۔ خصوصاً قادیان کے احباب میں یہ پیدا نہیں ہو سکا۔

ہر انسان کی تین ہی حالتیں ہو سکتی ہیں۔ یا وہ اچھا ہو گا یا بیمار یا نیم بیمار اور نیم درست۔ یہی تین جواب انسان اپنی حالت کے بارہ میں دے سکتا ہے۔ مجھ سے بھی جب کوئی یہ پوچھتا ہے کہ حال کیسا ہے تو میں ان میں سے ایک جواب ہی دے سکتا ہوں یا تو کہوں گا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اچھا ہے یا یہ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پہلے سے اچھا ہوں یا یہ کہ بیمار ہوں۔ اور میں نے دیکھا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں میں اپنی جو بھی حالت بیان کروں دوست مجھ پر زائد بوجھ ڈالنے سے گریز نہیں کرتے۔ میں نے پہلے بھی یہ امر خطبہ میں اشارۃً بیان کیا ہے اور بہت غور کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسے اخلاص نہیں کہا جا سکتا۔ عدمِ علم اور نادانی کہا جا سکتا ہے۔ تم سے بہت زیادہ مخلص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گزرے ہیں اور مجھ سے بے انتہاء شان کا زیادہ آدمی ان میں موجود تھا مگر ان کے اخلاص کا یہ رنگ نہ تھا اور نہ وہ لوگ

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اس قربانی کا مطالبہ کرتے تھے جس کا مجھ سے کیا جاتا ہے میں اسے اخلاص نہیں بلکہ عدمِ علم اور دین کی ناواقفیت سمجھتا ہوں۔

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پڑھے ہوئے نکاح بہت ہی محدود ہیں مگر اب مَیں دیکھتا ہوں کہ ذہنیت یہ ہو رہی ہے کہ اسلام زندہ رہے یا مرے، اسلامی علوم پر کتابیں لکھی جا سکیں یا نہ لکھی جا سکیں مگر یہ ضروری ہے کہ ہمارا نکاح خلیفہ پڑھے۔ تم میں کون سا ایسا مخلص ہے جو اپنے آپ کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی پر ترجیح دے سکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میری جماعت میں کئی ایسے ہیں جو صحابہ کا رنگ رکھتے ہیں اور ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر قربانی کا جو موقع آپ لوگوں کو ملا اس کے پیش نظر کون کہہ سکتا ہے کہ اس نے ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی سے زیادہ قربانی کی اور اپنی قوتوں اور طاقتوں کے استعمال کے لحاظ سے کوئی پاگل ہی کہہ سکتا ہے کہ مَیں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے زیادہ ہوں۔ حدیثوں میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پڑھائے ہوئے نکاح پانچ دس سے زیادہ نہیں ہیں اور عام دعوتوں کو تو جانے دو۔

عشرہ مبشرین میں سے ایک رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عزیز اور ایسا عظیم الشان انسان کہ جس کے متعلق رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جب تک عبد الرحمٰن بن عوف زندہ ہے اسلام برباد نہیں ہو سکتا۔ اس کی شادی ہوتی ہے اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم نے ولیمہ کیا۔[1] اگر کسی ایسے شخص سے جس کی کوئی بھی اسلامی خدمت نہیں۔ آج میں یہ سوال کروں تو وہ فوراً یہی جواب دے گا کہ اگر مَیں ولیمہ کرتا تو آپ کو نہ بلاتا۔ مگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس پایہ کے صحابہ بھی رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ولیمہ کی دعوتوں میں نہ بلاتے تھے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے عزیز تھے، ہم وطن تھے، ہم ہجرت تھے۔ پھر عشرہ مبشرین میں سے تھے اور جن کا پایہ اتنا بلند تھا کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا جب تک عبد الرحمٰن بن عوف زندہ ہے اسلام پر تباہی نہیں آسکتی۔ شادی کرتے ہیں اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کی شادی کا حال پوچھتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس تقریب میں شریک نہ تھے اور پھر دریافت فرماتے ہیں کہ کیا تم نے ولیمہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کر دینا چاہیئے خواہ ایک بکری ہی ذبح کر کے کر دیا جائے مگر اس وقت

حالت یہ ہے کہ خواہ کتنا ضروری کام کیوں نہ ہو، خلیفہ کی صحت اجازت دے یا نہ دے، خرابیٔ صحت کی وجہ سے اس کی عمر 10 سال کم ہوتی ہے تو ہو جائے مگر یہ ضروری ہے کہ اسے ولیمہ کی دعوت میں آنا چاہیئے۔ ایک وقت تک مَیں نے اس بات کو برداشت بھی کیا جبکہ میرا ایسا کرنا اسلام کی خدمت کے راستہ میں روک نہ بن سکتا تھا مگر اب میری صحت ایسی نہیں رہی کہ سوائے اس کام کے جو خدمتِ اسلام کا میرے ذمہ ہے یا کسی ایسے کام کے جو صحت کو درست کرنے والا ہو کوئی اور کام کر سکوں۔ اگر مَیں ایسا کروں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مَیں اس کے لئے اسلام کے کام کو قربان کروں اور اس کے لئے مَیں تیار نہیں ہوں۔ مجھ سے جب بھی صحت کے متعلق کوئی سوال کرتا ہے تو جیسا کہ مَیں بیان کر چکا ہوں تین جواب ہی مَیں دے سکتا ہوں۔ یا کہوں گا اچھا ہوں، یا بیمار ہوں اور یا یہ کہ نیم بیمار اور نیم تندرست ہوں۔ مگر جب مَیں کہتا ہوں کہ اچھا ہوں تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں جیسے چراغِ سحری ٹمٹماتا ہے۔ اگر ایک دن بیچ میں حالت اچھی ہو جاتی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ مَیں تندرست ہو گیا ہوں۔ مُردہ بھی تو مرنے سے پہلے سانس لے لیتا ہے اور تجربہ بتاتا ہے کہ اگر ایک دن طبیعت اچھی رہتی ہے تو دوسرے دن پھر خراب ہو جاتی ہے۔ مومن کا کام ہے کہ ایک دن کے لئے بھی تکلیف میں کمی ہو تو کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اچھا ہوں۔ مگر حالت یہ ہے کہ ایک دوست آتے ہیں، پوچھتے ہیں کیا حال ہے۔ مَیں کہہ دیتا ہوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اچھا ہوں تو وہ جھٹ کہہ دیں گے اچھا پھر شام کو دعوت ہمارے ہاں ہے یا اگر میری حالت کچھ اچھی ہے تو مَیں کہتا ہوں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پہلے سے اچھا ہوں تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ فضل کرے گا کل تک بالکل صحت ہو جائے گی اور کل دوپہر ہمارے ہاں آپ دعوت قبول فرمائیں۔ ایک حصہ دوستوں کا بے شک ایسا ہے کہ اگر مَیں بیمار ہوں اور کہوں کہ بیمار ہوں تو افسردگی کا اظہار کر کے خاموش ہو جاتا ہے مگر ایک حصہ تو ایسا ہے کہ جب مَیں کہوں میں بیمار ہوں تو کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں، ہم سواری کا انتظام کر کے لے چلیں گے اور آپ کو ہرگز کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ گویا وہ اپنی دعوت کو نماز سے بھی زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ مَیں بعض اوقات کہتا ہوں کہ نماز تو مجھے ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے مسجد میں جا کر ادا کرنا معاف کر دیا ہے مگر آپ کی دعوت معاف نہیں ہو سکتی۔ آخر تنگ آ کر مَیں نے

اعلان کر دیا کہ مَیں ایک سال تک نہ کوئی نکاح پڑھاؤں گا اور نہ کسی دعوت میں شریک ہوں گا۔ اس میں مَیں نے ایک سال کی شرط رکھی ہے۔ مَیں نہیں چاہتا کہ ہمیشہ کے لئے یہ پابندی کر دوں۔ اگر اللہ تعالیٰ ایک سال میں مجھ پر فضل کر دے، میری صحت کو درست کر دے اور مَیں دوستوں کو خوش کر سکوں تو کیا حرج ہے۔ تو مَیں نے ایک سال کے لئے یہ اعلان کیا تھا۔ اس میں استثنیٰ کی گنجائش تھی اور اب مَیں دیکھتا ہوں کہ بعض دوستوں کی طرف سے کہا جانے لگا ہے کہ ہم استثنیٰ کے طور پر اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں اور اعلان کے بعد استثنیٰ کے طور پر بیس پچیس نکاحوں کے پڑھانے اور دس پندرہ دعوتوں میں شریک ہونے کی اطلاع آچکی ہے۔ ایسی صورت میں میرے لئے کیا چارہ ہے۔ میں تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ حال اچھا ہے کہتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں کہ ادھر مَیں نے یہ بات کہی اور ادھر یہ مطالبہ ہو گا کہ دعوت میں چلیں یا نکاح کا اعلان کر دیں۔

ڈاکٹر مجھے سالہاسال سے یہ کہتے ہیں کہ میری صحت کے لئے چلنا پھرنا اور اکسرسائز کرنا ضروری ہے۔ بیماری کی وجہ سے طبیعت میں یوں بھی کچھ کسل پیدا ہو جاتا ہے جو ورزش میں مانع ہوتا ہے مگر سیر وغیرہ کرنے سے مَیں یوں بھی ڈرتا رہتا ہوں کہ لوگ پیچھے پڑ جائیں گے اور سمجھیں گے اب تو سیر کرتے ہیں اس لئے کوئی شبہ نہیں کہ تندرست ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سیر تندرستی کی علامت نہیں بلکہ کونین کی گولی کی طرح ہے جو ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق کی جاتی ہے۔ مجھے جتنی بیماریاں ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ جن کے متعلق طبیبوں کی یہ رائے ہے کہ ان کا باعث زیادہ دماغی کام اور بیٹھے رہنا ہے۔ مثلاً نقرس ہے۔ اب ایگزیما ہؤا ہوا ہے، کھانسی ہے، یہ سب بیٹھے رہنے اور زیادہ دماغی کام کرنے سے ہوتی ہے۔ اور چلنا پھرنا، سیر کرنا، ورزش کرنا ان کا علاج ہے۔ اور ڈاکٹر مجھے ہمیشہ یہی مشورہ دیتے ہیں مگر انہیں میری مصیبت کا پتہ نہیں۔ مَیں تو باہر نکلتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ دعوتیں ہونے لگیں گی اور اس ڈر سے مَیں علاج بھی نہیں کر سکتا۔

پس مَیں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ابھی اسلام کے بہت سے کام کرنے والے ہیں۔ ابھی بہت کام باقی ہیں۔ گو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کہ جس نے

تیرہ سو سال کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا۔ یہ امید بھی کی جاسکتی ہے کہ وہ ان کاموں کی تکمیل کے لئے اور مامور بھی بھیج سکتا ہے مگر اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ اور بھی بھیج سکتا ہے جو چیز ہمیں حاصل ہے اسے ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ اور مامور بھیج سکتا ہے۔ اس خیال کی بناء پر جو علوم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہمیں عطا ہوئے ہیں ان کو ضائع کر دینا مناسب نہیں۔ اور انہیں پوری طرح محفوظ کر لینا ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے صحابہ فوت ہو چکے ہیں۔ اب بہت تھوڑے باقی ہیں اور ان میں سے بھی وہ جن کو حضور علیہ السلام کی صحبت نصیب ہوئی اور جن کو حضور علیہ السلام کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم، حدیث اور اسلامی علوم عطا کئے وہ تو اب بہت ہی تھوڑے ہیں۔ مخالفین نے اسلام کے ہر پہلو پر اور نئے نئے رنگ میں اعتراضات کئے ہیں۔ اور اس لئے ضرورت ہے کہ اسلام کے تمام پہلوؤں پر نئے سرے سے روشنی ڈالی جائے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ پھر وہی گمراہی دنیا میں نہ پھیل جائے جسے دور کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے۔ پس ان کاموں سے جو دوست مجھ سے ہی کرانا ضروری سمجھتے ہیں بہت بڑا کام باقی ہے اور شاید اس کام کا ابھی چوتھا حصہ بھی مکمل نہیں ہؤا۔ اور ضرورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم میں جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحبت یافتہ ہیں اور جنہوں نے حضور کی دعاؤں سے حصہ وافر پایا ہے یا جن پر آپ کا علم بذریعہ الہام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے ان کی موجودگی میں یہ کام مکمل کر سکیں تا آئندہ صدیاں اسلام سے قریب تر ہوں دُور تر نہ ہوں۔ یہ اس کام کے کرنے کا زمانہ ہے مگر موجودہ حالت یہ ہے کہ میں اس سال کا اکثر حصہ بیمار رہا ہوں اور کوئی کام نہیں کر سکا۔ لیٹے لیٹے ڈاک دیکھ لی یا بعض خطوط کے جواب نوٹ کرا دیئے۔ تو یہ کوئی کام نہیں ہے۔ اصل کام اسلام کی اس روشنی میں توضیح و تشریح ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ نازل فرمائی اور یہ میں اس سال خطبات میں بھی بیان نہیں کر سکا۔

سال میں چھ ماہ مَیں بیمار رہا ہوں اور چھ ماہ نیم بیمار۔ گویا آدھا وقت تو یوں ضائع ہو گیا۔

اور اب تو صحت بھی ایسی ہوتی ہے کہ پورا کام نہیں ہو سکتا۔ پہلے جہاں 17، 18 گھنٹے کام کر لیتا تھا اب 6، 7 گھنٹے بھی نہیں کر سکتا۔ اور اس طرح سال کے تین ماہ ہی رہ جاتے ہیں۔ اور وہ بھی نیم بیمار کے۔ اور اس قلیل وقت میں سے بھی اگر اَور ضائع ہو تو کام کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

اچھی طرح یاد رکھو کہ اسلام پر ایسا دور آنے والا ہے جب اسلام کُفر سے آخری ٹکر لے گا اور یہ زمانہ ان سامانوں کے جمع کرنے کا ہے جن سے عیسائیت اور دوسرے مذاہب کو پاش پاش کر دیا جائے گا۔ اگر یہ سامان جمع نہ ہوئے تو لڑائی کا یہ پہلو نمایاں طور پر کمزور ہو جائے گا۔ گو اللہ تعالیٰ معجزانہ فتح دے دے تو اور بات ہے۔ پس اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ جس جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی جتنی جتنی سمجھ دی ہے اس کے مطابق اسلامی علوم کو محفوظ کر دیا جائے۔ ورنہ جو جو لغویات اسلام کی طرف منسوب کی گئی ہیں ان سے بہت زیادہ گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہے اور آنے والی نسلیں اس صداقت سے محروم رہ جائیں گی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظاہر کی ہے۔

پس مَیں پھر ایک دفعہ احبابِ جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اب یہ حالت ہے کہ میرا نصف سے زیادہ وقت بیماری میں ضائع ہو جاتا ہے اور جو نصف وقت رہتا ہے اس میں کمزوری کی وجہ سے زیادہ کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے دوستوں کو چاہیئے کہ ان باتوں میں عقل و خِرد سے کام لیں اور اسلام سے محبت کا ثبوت دیں اور میرے وقت کو خواہ مخواہ ضائع ہونے سے بچائیں۔ ورنہ یہ مت سمجھیں کہ یہ باتیں برکت دینے والی ہیں۔ ایسی باتیں برکت دینے والی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو جایا کرتی ہیں۔ یہ میرے ساتھ محبت کا اظہار نہیں بلکہ تکلیف دینے والی باتیں ہیں۔ یہ تو ایسی ہی محبت ہے کہ ایک پٹھان دوست نے سنایا کہ ایک پٹھان کسی پیر کا مُرید تھا اور بڑے دور دراز مقام سے چل کر سال میں ایک دو بار اس کی زیارت کے لئے آیا کرتا تھا اور ہمیشہ اس سے عرض کرتا تھا کہ کبھی ہمارے ہاں تشریف لائیے۔ ہمارا علاقہ بہت سر سبز و شاداب ہے۔ بڑے اعلیٰ نظارے ہیں۔ آخر ایک دفعہ پیر صاحب راضی ہو گئے اور اس کے گاؤں میں چلے گئے۔ وہ انہیں ایک پہاڑی پر لے گیا اور کہنے لگا دیکھئے یہ کیسی خوبصورت جگہ ہے۔ کیسے عمدہ عمدہ نظارے ہیں۔ پیر صاحب بھی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان پر ایسا اثر ہوُا

کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے کا خیال ان کے دل میں آیا۔ اتنے میں پٹھان نے پوچھا کہ کیوں حضرت یہ جگہ کیسی ہے۔ انہوں نے کہا بہت اچھی ہے۔ اس نے پوچھا آپ کو پسند آئی ہے۔ پیر صاحب نے کہا ہاں بہت پسند ہے۔ اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ مَیں آپ کو مار کر یہاں آپ کی قبر بناؤں۔ پیر صاحب گھبرا گئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کیوں؟ تو اس نے کہا میں غریب آدمی ہوں۔ اتنی دور آپ کی زیارت کے لئے جانا مشکل ہے۔ یہیں آپ کی قبر ہوگی تو مَیں اور میری بیوی صبح شام اس سے برکت حاصل کر سکیں گے۔ پھول بھی چڑھا جایا کریں گے اور برکت بھی ملتی رہے گی۔ پیر صاحب نے کہا کہ یہ برکت والی بات تو نہیں۔ اس سے تو تم لعنت مول لے لوگے۔ اس نے کہا کہ نہیں پیر صاحب کی قبر سے زیادہ برکت والی چیز اور کون سی ہو سکتی ہے۔ آپ مجھے معاف فرمائیں یہ کام تو میں ضرور کروں گا۔ آخر پیر صاحب نے اس سے وعدہ کیا کہ مَیں خود ہی سال میں ایک دو بار یہاں آجایا کروں گا۔ اور پھر ان کی جان چھوٹی۔ تو یہ نادانی ہے محبت نہیں۔ مَیں نے بتایا ہے کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جو اخلاص میں تم سے بہت بڑھ کر تھے اور اُن میں ایک ایسا سردار تھا کہ جو مجھ سے اَن گنت گُنا زیادہ شان رکھتا تھا مگر ان کے باہم ایسے تعلقات نہ تھے جو تم میرے ساتھ رکھنا چاہتے ہو۔ خوب یاد رکھو کہ اُن کا رویہ بالکل ٹھیک تھا اور حکمت سے خالی نہ تھا۔ کوئی موقع استثنائی بھی آسکتا ہے اور ایسے مواقع بھی آئے ہیں جب صحابہ رسول کریم ﷺ کو دعوت پر اپنے ہاں بلا کرلے گئے ہیں مگر وہ اَور مواقع تھے۔ ایک دعوت کا ذکر احادیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا پیٹ کس کر باندھا ہؤا ہے۔ عربوں کے رواج کے مطابق اس کا یہ مطلب تھا کہ آپ کو سخت بھوک لگ رہی ہے۔ اس کے گھر میں ایک ہی بکری تھی۔ وہ فوراً گھر آیا اور بیوی سے کہا کہ آج موقع ہے۔ رسول کریم ﷺ بھوکے ہیں اور اس بکری کے استعمال کا اس سے بہتر موقع کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے بکری ذبح کی، شوربا پکایا اور پھر جا کر رسول کریم ﷺ کو دعوت دی کہ اتنے آدمیوں سمیت تشریف لا کر میرے ہاں کھانا تناول فرمائیں۔[2] چنانچہ آپؐ تشریف لے گئے اور کھانا کھایا۔ اس نے عقل سے کام لیا اور برکت حاصل کی لیکن وہ رسول کریم ﷺ کو محض برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے ہاں لے کر نہ

گیا تھا بلکہ آپ کو اس حالت میں دیکھ کر کہ بھوک کی وجہ سے پیٹ باندھ رکھا ہے اپنی ایک ہی بکری کو ذبح کیا اور آپ کو کھانے پر مدعو کیا۔ یہ دعوت اس لئے نہ تھی کہ وہ اور اس کا گھر برکت حاصل کر سکے۔ اپنے گھر میں جو اس نے دعوت کی تو اس لئے کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ علم نہ ہو کہ اسے آپ کے بھوکا ہونے کا علم ہے۔ ورنہ وہ بکری ذبح کر کے آپ کے گھر بھیج دیتا۔ اُس نے جو آپ کی دعوت اپنے گھر میں کی تو آپ کے جذبات لطیف کو ٹھیس سے بچانے کے لئے۔ تو یہ رنگ اَور ہے۔

پس ہمارے دوستوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ دعوتوں وغیرہ میں میرا وقت ضائع نہ کیا جائے۔ بعض مجھے یہ مشورہ بھی دیتے ہیں کہ آپ نہ مانا کریں مگر وہ اس بات کو ذہن میں نہیں رکھتے کہ جماعت کے دوستوں کے ساتھ میرے جو تعلقات ہیں ان کے لحاظ سے کسی کی دعوت کو ردّ کرنا بھی تو مشکل ہوتا ہے۔ وہ جو مشورہ دیتے ہیں وہ بھی صحیح ہے مَیں ردّ کر سکتا ہوں مگر دوستوں کے ساتھ میرے محبت کے جو تعلقات ہیں اُن کی موجودگی میں ردّ کرنے سے بھی تو مجھے تکلیف ہوگی۔

پس دوستوں کو چاہیئے کہ ان باتوں میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت اور صحابہؓ کے طریقِ عمل کے مطابق چلیں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ جو دوست اس بات کو سمجھتے ہوئے اپنی اس خواہش کو خود ہی ردّ کر دے گا یا پیچھے ڈال دے گا اسے ضرور ثواب ہو گا۔ اور اس کے لئے برکت کا موجب ہو جائے گا۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ہے کہ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔3 اور ایسے شخص کی نیت اور ارادہ اس کے لئے برکت کا موجب ہو جائے گا۔ صحابہؓ ایک جنگ میں شریک ہونے کے لئے جا رہے تھے۔ رستہ ایک کانٹوں کے جنگل میں سے گزرتا تھا۔ کیکر کے بڑے بڑے لمبے کانٹے تھے جن کی وجہ سے دو قدم بھی چلنا محال ہو رہا تھا۔ تمام صحابہؓ کے پاؤں سے خون بہہ رہا تھا اور پگڑیاں پھاڑ پھاڑ کر پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ دو قدم چلتے اور پھر بیٹھ جاتے اور یوں نظر آتا تھا کہ یہ کوئی فوج نہیں جو لڑائی کے لئے جا رہی ہے بلکہ کسی ہسپتال کے مریض ہیں۔ جب ایک مقام پر جا کر قیام کیا تو بعض صحابہ کے دل میں خیال گزرا کہ آج ہم نے اتنی تکلیف اللہ تعالیٰ کی راہ میں اٹھائی ہے آج ہمیں بہت ثواب حاصل ہو گا۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

نے اس بات کو اُن کے چہروں سے پڑھ لیا اور فرمایا اے عزیزو! مدینہ میں کچھ لوگ ہیں، تم کسی وادی سے نہیں گزرے کہ وہ تمہارے ساتھ نہ گزرے ہوں اور کوئی ایسا ثواب نہیں جو تم کو ملا اور ان کو نہ ملا ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پیدل ہم چلتے رہے، کانٹوں سے ہمارے پاؤں چھلنی ہوئے، خون ہمارا بہا اور ثواب مدینہ میں بیٹھے ہوئے لوگ لے جائیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لنگڑے، اپاہج اور اندھے یا کم استطاعت لوگ ہیں جن کے دل اس جہاد میں شریک ہونے کے تم سے کم خواہشمند نہ تھے مگر وہ اپنی اس خواہش کو اپنی معذوریوں کی وجہ سے پورا نہ کر سکے اور اپنی نیات کی وجہ سے ثواب حاصل کر رہے ہیں۔4

پس یہ ایسا وقت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی خدمت کے کام کو بہترین رنگ میں مکمل کرا دے اور جب وقت آئے تو وہ ہم کو سوتا ہوُا نہ پائے بلکہ تیار اور تجربہ کار پائے اور ایسا نہ ہو کہ ہم عدمِ تیاری یا ناتجربہ کاری کے باعث اس لڑائی میں شریک نہ ہو سکیں یا ہوں تو بجائے اسلام کو کوئی فائدہ پہنچانے کے اس کے لئے ایک ایسا بار بن جائیں جو سمندر میں پھینکے جانے والے آدمی کی گردن میں باندھ دیا جاتا ہے۔ یہ دن خشیت اور خوف کے دن ہیں۔ آج ہماری تمام آرزوئیں اور خواہشات اسلام کی زندگی اور آنحضرت ﷺ کی عزت کے لئے وقف ہونی چاہئیں۔ ہم میں سے ہر ایک کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ سوچے اور خوب غور کرے۔ شاید اسی کے دل میں کوئی ایسی بات آجائے جو اسلام کے لئے مفید ہو اور شاید اسی کے دل میں کوئی ایسی بات آ جائے جو اسلام پر سے اس اعتراض کو دور کر سکے جو صداقت کے قبول کئے جانے میں روک بن رہا ہے۔ اور ہر ایک کو چاہئیے کہ دعاؤں میں لگا رہے کہ شاید اسی کی دعا اللہ تعالیٰ کے رحم کو جذب کرنے والی ہو اور دنیا کو تباہی سے بچانے کا موجب بن جائے۔ یہ دن ایسے بھیانک ہیں کہ اس سے پہلے ایسے بھیانک دن پہلے نہیں آئے اور یہ راتیں ایسی تاریک ہیں کہ اس سے قبل ایسی تاریک راتیں نہیں آئیں مگر خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کا سورج رات کی تاریکی کے بعد ہی نمودار ہوتا ہے۔ لیکن یہ سورج وہ نہیں کہ جو رات کی وجہ سے طلوع کرے بلکہ رات کی دعاؤں کے نتیجہ میں طلوع کرتا ہے۔ پس اس کے طلوع کرنے کے لئے دعائیں کرو۔ جتنے زور کی ہماری دعائیں ہوں گی اتنی ہی جلدی اللہ تعالیٰ کا

یہ سورج نکلے گا۔ پس یہ دن ایسے نہیں کہ رسمی باتوں میں ضائع کئے جائیں۔ اور دوستوں کو چاہیئے کہ معمولی باتوں کا خیال چھوڑ کر اس حقیقی امر کی طرف متوجہ ہوں جو اسلام کی زندگی اور آنحضرت ﷺ کی عزت سے وابستہ ہے۔" (الفضل 14 نومبر 1943ء)

1: بخاری کتاب النکاح باب کیف یدعی للمتزوج

2: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خندق وھی الاحزاب

3: بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی۔۔۔۔ الخ

4: بخاری کتاب المغازی باب نزول النبی ﷺ الحجر